شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ

الھبۃ الاحمدیہ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ

۱۳۳۳ھ

تصنیف لطیف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

رسالہ

الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ ١٣٣٣ھ

(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ١١٤: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ٧ رجمادی الاخرہ ١٣٣٣ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیا رائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، والتسلیم (نقل فتوٰی مطبوعہ[ع] مستشار العلماء)

[ع] مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ٢٩ رجون جمع کردہ لطف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علی خاں جاگیردار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکماً مجور کردیا تھا اس کے بعد انھوں نے وقفنامہ مورخہ ٢٥ اگست ١٩٠٨ء رجسٹری شدہ ٢٥ ستمبر ١٩٠٨ء لکھا اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع مثبت احکام شرعیہ ہیں اس کے ساتھ دوسرا فتوٰی اسی مستشار العلماء کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں مجور ہوگئے اور وقف باطل ہے ١٢۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے حنفیہ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حنفی مذہب کی رُو سے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اور اس کے فیصلے اسی طرح شرعاً قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

ثبوت: حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اس کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے علم سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوی دینے کے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

فالصحیح ان اھلیۃ الاجتہاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ دون العلم ولنا انہ یمکنہ ان یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل بہ وھو ایصال الحق الی مستحقہ۔ ھدایۃ[1] ج ۶ ص ۳۶۰۔

تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط اولی ہونے کی ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں قضاء کا معاملہ اس قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت اس پر نہیں ہوسکتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جاہل کو دوسرے کے فتوی پر عمل ممکن ہے اور قضاء کا مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے اور وہ حقدار کو حق دینا ہے۔ ہدایہ ج ۶ ص ۳۶۰ (ت)

محقق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمۃ علی انہ لاتصح ولایتہ کالشافعی

فاسق کی قضا میں اختلاف ہے اکثر ائمہ کرام کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] الہدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

33

وغیرہ کما لا تقبل شہادتہ، وعن علمائنا الثلاثۃ فی النوادر مثلہ لکن الغزالی قال اجتماع ھذہ الشروط من العدالۃ والاجتہاد وغیرھما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتہد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا، فلو قلد الجاھل الفاسق صح ویحکم بفتوی غیرہ - فتح القدیر[1] جلد ۶ ص ۳۵۷ -

وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں اسی طرح اس کی ولایت بھی صحیح نہیں ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کا نوادر میں یہی قول ہے لیکن غزالی نے فرمایا کہ عدالت، اجتہاد اور دیگر شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ عدل واجتہاد سے خالی ہے تو صحیح طور یہ ہے کہ صاحبِ شوکت سلطان جس کو بھی ولایت سونپ دے اس کی قضاء نافذ ہو گی اگرچہ وُہ جاہل فاسق ہو اور ہمارا ظاہر مذہب یہی ہے تو اگر وہ سلطان، جاہل فاسق کا تقرر کر دے تو صحیح ہوگا اور وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۷۔ (ت)

نیز محقق موصوف فرماتے ہیں:

فالصحیح انھا لیست شرطا للولایۃ بل للاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالک واحمد وقولھم روایۃ عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لا یجوز ان یکون قاضیا ولکن المختار خلافہ قالوا القضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ بدون العلم قلنا یمکنہ القضاء بفتوی غیرہ ومقصود القضاء و

تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ اولیٰ ہونے کی شرط ہے لیکن جاہل کا تقرر، تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے اور غیر کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف اس کے خلاف ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہ قول مروی ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصل (مبسوط) میں اس پر نص فرمائی ہے کہ کوئی مقلد قاضی نہیں بن سکتا لیکن مختار اس کے خلاف ہے، ائمہ فرماتے ہیں کہ قضا کا منصب اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت نہیں ہوتی، ہمارا جواب یہ ہے کہ بے علم

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

هو ایصال الحق الی مستحقه ورفع الظلم یحصل به فاشتراطه ضائع۔ فتح القدیر[1] جلد ۶ ص ۳۵۹۔

دوسرے کے فتوٰی پر فیصلے دینا ممکن ہے جبکہ قضاء کا مقصد صرف مستحق کو حق عطا کرنا اور ظلم کا دفاع کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے لہٰذا اجتہاد کی شرط بے مقصد ہے۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۹۔ (ت)

کتاب فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکون من اھل الاجتھاد والصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ کذا فی الھدایۃ حتی لوقلد جاھل وقضی ھذا الجاھل بفتوٰی غیرہ یجوز کذا فی الملتقط[2]۔ جلد ۳ ص ۳۰۷۔

قاضی اہل اجتہاد سے ہو جبکہ صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط صرف اولٰی ہونے کے لئے ہے۔ ہدایہ میں ایسے ہے حتی کہ اگر جاہل کا تقرر کیا گیا اور وہ دوسروں کے فتوٰی پر فیصلے دے تو جائز ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ جلد ۳ ص ۳۰۷ (ت)

عبدالرحمٰن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں:

وفی الشمنی اجتماع ھذہ الشرائط من الاجتھاد والعدالۃ وغیرھا متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتھد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذوشوکۃ وان کان جاھلا فاسقا[3]۔ جلد ۲ ص ۱۵۱۔

شمنی میں ہے کہ اجتہاد، عدالت وغیرہ کی شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ اجتہاد اور عدل سے خالی ہے، تو صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو بھی صاحبِ شوکت سلطان قاضی مقرر کرے اس کی قضاء نافذ ہوگی خواہ وہ فاسق جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ جلد ۲ ص ۱۵۱ (ت)

علامہ ابن عابدین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قولہ والفاسق اھلھا سیأتی بیان الفسق والعدالۃ فی الشھادات وافصح بھذہ الجملۃ دفعا للتوھم من

ماتن کا قول کہ فاسق قضا کا اہل ہے تو شہادات کے بیان میں فسق اور عدالت کی بحث آئے گی، ماتن نے یہ قول یہاں اس لئے بیان کیا تاکہ ان لوگوں کا

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰-۳۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۳۰۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۵۱

قال ان الفاسق لیس باھل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لایؤمن علیہ لفسقہ وھو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی، قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصا فی ھذا الزمان اھ اقول لواعتبر ھذا لانسد باب القضاء خصوصا فی زماننا فلذا کان ماجری علیہ المصنف ھو الاصح کذا فی الخلاصۃ وھو اصح الاقاویل کما فی العمادیۃ نھر[1] جلد ۴ ص ۳۳۰ -

تو ہم ختم ہو جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا اس کی قضا صحیح نہیں ہے کیونکہ فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ قول تینوں اماموں کا ہے جسے طحاوی نے اختیار کیا ہے، امام عینی نے فرمایا اس قول پر فتوٰی مناسب ہے خصوصاً موجودہ زمانہ میں، اھ، میں کہتا ہوں کہ اگر اس قول کا اعتبار کیا گیا تو پھر قضا کا دروازہ بند ہوجائے گا خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں، لہذا مصنف جس قول پر قائم ہے وہی اصح ہے، خلاصہ میں ایسے ہے اور یہ سب سے اصح قول ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے نہر۔ جلد ۴ ص ۳۳۰ (ت)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں:

قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اھ وھذا توجیہ لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لاینعزل بالردۃ خلافا لما مشی علیہ المصنف فی باب التحکیم من روایۃ عدم الصحۃ وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلک الولایۃ بلاحاجۃ الی تجدید بخلاف تولیۃ صبی فادرک، ولو قلد کافر فاسلم قال

بحر میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا تقرر صحیح ہے اگرچہ اس کے کفر کی بناء پر مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہ ہوگی اھ، اور یہ اس روایت کی ترجیح قرار پائے گی جس میں کافر کی تولیت کو صحیح کہا گیا ہے یہ اس فتوٰی سے ماخوذ ہے جس میں یہ ہے کہ قاضی کے مرتد ہوجانے پر وہ معزول متصور نہ ہوگا، یہ مصنف کے عدم جواز والے موقف کے خلاف ہے جس کو انہوں نے تحکیم کے باب میں بیان کیا ہے اور فتح میں ہے کہ جب غلام کا تقرر ہوا ہو اور وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری پر ہی اس کی قضا جائز ہوگی نئی تقرری کی ضرورت نہیں اس کے برخلاف جب بچے کی تقرری ہوئی اس کے بعد وہ بالغ ہوجائے،

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد والفرق ان کلا منھما له ولایة وبه مانع و بالعتق والاسلام یرتفع، اما الصبی فلا ولایة له اصلا۔[1] رد المحتار جلد ۴ صفحہ ۳۲۹۔

اگر کافر کی تقرری ہوئی پھر وہ مسلمان ہوجائے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ پہلی تقرری ہی سے قضاء کرے گا تو یوں کافر عبد کی طرح حکم پائے گا، اور ان دونوں اور بچے میں فرق یہ ہوگا کہ یہ دونوں ولایت کے اہل تھے لیکن ان کا کفر اور غلام ہونا عمل قضا سے مانع تھا اور اب وہ ختم ہوگیا ہے لیکن نابالغ ولایت کا اہل ہی نہیں تھا اس لئے بلوغ کے بعد دوبارہ تقرری ضروری ہے۔ (ت)

نیز فرماتے ہیں:

فی الخانیة اجمعوا انه اذا ارتشی لاینفذ قضاؤه فیما ارتشی فیه اھ قلت حکایة الاجماع منقوضة بما اختاره البزدوی واستحسنه فی الفتح وینبغی اعتماده للضرورة فی ھذا الزمان والا بطلت جمیع القضایا الواقعة الاٰن لانه لا تخلو قضیة عن اخذ القاضی الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحکم او بعده فیلزم تعطیل الاحکام وقد مر عن صاحب النھر ترجیح ان الفاسق اھل للقضاء انه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء فکذا یقال ھھنا[2] رد المحتار جلد ۴ ص ۳۳۵۔

خانیہ میں ہے کہ فقہاء نے بالاجماع فرمایا کہ قاضی نے جس کیس میں رشوت لی ہے اس میں اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی، میں کہتا ہوں یہ اجماع امام بزدوی کے مختار اس قول سے جس کو فتح میں مستحسن قرار دیا اور (فی زمانہ ضرورت کی بنا پر اس پر اعتماد مناسب ہے) سے ٹوٹ جائیگا ورنہ اجماع کے پیش نظر آج تمام فیصلے باطل ہوجائیں گے کیونکہ کوئی کیس بھی قاضی کے اس عنوان کی رشوت جس کو وہ محصول کہتے ہیں، سے خالی نہیں ہے جس کو وہ فیصلہ سے قبل یا بعد وصول کرلیتے ہیں اس تمام فیصلے کا معطل ہونا لازم آئے گا جبکہ صاحب نہر کی یہ روایت گزرچکی ہے جس میں انہوں نے فاسق کی اہلیت قضاء کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ اگر عدالت کا اعتبار کیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے (ت)

علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمۃ اللہ جن کے نزدیک جاہل کی قضاء درست نہیں ہے

---

[1] رد المحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

[2] " " " " ۴/ ۳۰۴

فرماتے ہیں :

ولنا ان المقصود ایصال الحق الی المستحق وھو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ - تبیین[1] الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶ -

ہماری دلیل یہ ہے کہ قضاء سے مقصود یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلایا جائے تو غیر کے فتویٰ پر عمل سے یہ حاصل ہوجاتا ہے - تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶ - (ت)

شیخ الاسلام علاء الدین حصکفی[عہ] درمختار میں فرماتے ہیں :

و یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[2] جلد ۴ ص ۳۳۹ -

مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم ہو بلکہ کافر بھی ہو تو اس کی طرف سے قاضی کی تقرری جائز ہے مگر وہ جب قاضی کو حق پر فیصلہ سے منع کرتا ہو تو پھر تقرری حرام ہوگی - جلد ۴ ص ۳۳۹ - (ت)

علامہ شامی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں :

قولہ ولو کافرا فی التتارخانیۃ الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد[3] - ج ۴ ص ۳۳۹ -

ماتن کا قول "اگرچہ کافر ہو" تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی کی تقرری کرنے والے سلطان کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے - ج ۴ ص ۳۳۹ - (ت)

روایت مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر ۱ و ۳ و ۸ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مفتی پرہیزگار ہونے کی ، اگر خود عالم ہو تو خیر ، ورنہ دوسرے کے فتویٰ دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا طاقت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے جو بادشاہِ وقت کا عطیہ ہوا ' روایت نمبر ۵ ، ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کا ملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے ، روایت نمبر ۶ ، ۸

عہ صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲ -

---

[1] تبیین الحقائق	کتاب القضاء	المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر	۱۷۶/۴
[2] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۷۳/۲
[3] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۳۰۸/۴

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۹ سے بالخصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہوا باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اس لئے جائز اور نافذ مان لیا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقا ہے، روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ روایت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے، جب روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیز گاری کی شرط کو فقہائے متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے سے فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے گی کیونکہ گورنمنٹ کو تمام اہل مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لئے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ مشکل ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو منصب قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیز گار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے بھی ممکن ہے، لہذا اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی اصل غرض ایصال حق کے حاصل ہونے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں، شرعاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی عدالت کا جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک تک محدود ہونا ضروری ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو، ھذا ما استقر علیہ رائی (یہ وہ ہے جس پر میری رائے ٹھہری۔ ت) واللہ بالصواب۔

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب
احمد علی عفی عنہ

صح الجواب
محمد حسن عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد اکرام الحق

الجواب صحیح
محمد عمر خاں عفی عنہ

الجواب نعم الجواب
محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ

الجواب صحیح
غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب محمد عالم مدرس مدرسہ حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدر آباد دکن ساکن علیگڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

الجواب صحیح محمد امانت اللہ عفی اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علیگڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

اظنہ صحیحا ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا (میرے گمان میں صحیح ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمائے۔ت) الفقیر محمد ابراہیم عفی عنہ نمبردار کرنال و قاضی تحصیل کرنال بقلم خود، ۲ جون ۱۹۱۲ء

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ لاولی سواہ والصلوٰۃ والسلام عدد العلم والکلم علی الاولی بالمومنین من انفسھم وعلٰی اٰلہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ اجمعین اٰمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم، سب تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے جس کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور علم اور کلمات کی تعداد برابر صلوٰۃ و سلام ہو اس ذاتِ گرامی پر جو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہے اور آپ کی آل واصحاب واولیاء اور جماعت سب پر، آمین! (ت)

مولنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں ارشاد فرمایا:

اذا وُسّد الامر الٰی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]

جس وقت امور نا اہلوں کے حوالے کیے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کو بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی ہیں اور اجتہاد بھی وہ جو آج تک ابوحنیفہ و شافعی درکنار ابوبکر صدیق و عمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل بے اصل و محض جامع قیاس بے اساس، نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تحقیق حق کے لئے تمہید چند مقامات سودمند، **فاقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) **مقدمہ اولٰی** حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ہے تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابی (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علمًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴

وہ مانے یا نہ مانے۔ ت) دو قسم ہے عرفیہ دنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیانِ ملک کہا جاتا ہے اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو ہے وبس، جس کی حقیقت ذاتیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہے: مالھم من دونہ من ولی[1] (اللہ تعالٰے کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔ ت) اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم[2] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہیں۔ ت) اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں:

وماکان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلٰلا مبینا[3]

مومن مرد یا عورت کسی کو اپنا اختیار نہیں ہے جب اللہ تعالٰے اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ فرما دیں اور جو اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔ (ت)

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریح وتفویض وانابت سے اُسے ہے جسے اُنھوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار ظلی عطا فرمایا ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ الذی بیدہ عقدۃ النکاح[4] (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ت) اور کریمہ واسمعوا اطیعوا[5] (سنو اور اطاعت کرو۔ ت) میں ہے اور ان انواع ثلٰثہ یعنی ذاتیہ وعطائیہ وظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[6] (اللہ تعالٰے کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور اولی الامر کی۔ ت) **اقول** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر اطیعوا مکرر آیا کہ ذاتیہ وعطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم کو اسی اطیعوا دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظلِ اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مقدمہ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسب مناشی ونتائج ولوازم ومقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶ — [2] القرآن الکریم ۳۳/ ۶
[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶ — [4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷
[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶ — [6] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلاء سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔

(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی ودینی۔

(۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین۔

(۴) عرفیہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو یہ نہ ہو، اور شرعیہ احکام تشریعیہ الٰہیہ کا مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو)۔

(۵) عرفیہ تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ معانی دینیہ کی۔

(۶) عرفیہ سے شئے غیر موجود موجود ہوجاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل۔

(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبیٰ میں معتبر۔

(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔

(۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔

(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔

(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم وخصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شئی غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائیگا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائیگی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا پھر اگر بادشاہ نومسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکام تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت شرعیہ سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہونگے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو دربارۂ نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاح فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے باطل ہوگیا،

لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من   کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اقویٰ ہے

الولایۃ العامۃ[1] کما فی الاشباہ وغیرھا اقول یعنی الظلیۃ اما الاصلیۃ فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونہ ولذا لو زوج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاصرۃ رجلا من قاصر رجل تم النکاح ولزم ولم یکن لابویھما خیرۃ اصلا بل کذٰلک لو زوج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا عاقلا بالغا من امرأۃ کذابدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لھما الخیرۃ من انفسھما کما نصوا علیہ وقد نطق بہ القرآن العزیز۔

جیساکہ الاشباہ وغیرہ میں ہے اقول (میں کہتا ہوں) ولایت ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایت اصلیہ، تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی قاصرہ (نابالغہ ومجنونہ ولونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعًا کوئی اختیار نہ رہے گا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ نکاح لازم ونافذ ہوگا بلکہ آپ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم نافذ ہوگا اور اس مرد وعورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیساکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآن پاک نے اس کو بیان کیا ہے (ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکمًا اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا عند اللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لئے حلال نہ تھی حلال ہوگئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا دوسرا اگر بے افتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار وسزائے نار ہوگا عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعًا بقدر حصہ مالک ہوگا، یہ تمام باتیں احکام تشریعیہ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کہ ولایت عرفیہ سے آتے اصلًا حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کرسکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار، اور یہ نکاح کرائے سلطانی میں خلاف قانون تھا قانونًا باطل ہوچکا،

لان الولایۃ العامۃ املک من الولایۃ الخاصۃ فی الدنیا۔

کیونکہ ولایت عامہ دنیا میں ولایت خاصہ سے زیادہ قوی ہے (ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ دینیہ ہے اگرچہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔
مقدمہ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دو[2] امر واضح کرے گا ایک
یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت
مطمح نظر سلاطین ہے اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی مخالفت قرار پاتی ہے، وہ یہی
ولایت چاہتے ہیں کہ فوج ولشکر وتیغ وتبر کی لازم وملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے
موسوم ہے ولایت قسم دوم کسی نامسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ قصداً اتباع شرع سے
ناشئ ہے نامسلم کو مذہب اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کا مقصد
اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح
ہے تو کوئی نامسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہو سکتی ہے ولایت قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے
بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں اور خود
گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین و مذہب میں مداخلت ہے بلکہ
اس کے خلاف ہمیشہ یہی اعلان کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین و مذہب میں دست اندازی نہیں
اور یقیناً ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالٰی نے عقل معاش بروجہ کمال اور ملک داری کا سلیقہ عنایت فرمائے
اسے یہی شایان ہے حکام و رعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والیِ ملک ہے اُس کا حکم یہاں نافذ ہے
جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کردے رُک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف
مضر جانتی ہے، یہ وہی وجود و عدم شئ کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی
نہ رعایا کا خیال کہ گورنمنٹ کسی کے دین و مذہب میں دست اندازی و مداخلت رکھتی شریعت کے احکام
غیر موجود موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سُود کی ڈگریاں دیتی ہے
اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو
شرعاً حلال جانیں یا ڈگری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو ازروئے شریعت اسلامیہ مباح
جانیں، اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل حکم سے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے
نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو عین شریعت اسلامیہ
مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلاً بحث، تو بلاشبہہ گورنمنٹ والیِ ملک ہی
بننا چاہتی ہے اور وہ ضرور والیِ ملک بااختیار ہے مگر کسی مذہب وملت کی والیِ دین بننا نہیں چاہتی
نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا خود گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس

کے خلاف منشا و اظہار ہے۔

مقدمہ چہارم: شریعتِ مطہرہ اسلامیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے آدمی والیِ ملک اور حاکم و بادشاہِ وقت ہوجاتا ہے اور رعایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نامسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیرِ اثر احکامِ تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکامِ تشریعیہ سے ہے،

قال اللّٰہ تعالٰی قل اللھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء[1] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ فرما دیجئے اے ملک کے مالک تُو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ (ت)

اس من تشاء میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں، ولہذا قرآن مجید نے زمانۂ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بادشاہِ مصر کو جابجا بلفظ ملک تعبیر فرمایا،

وقال الملک انی اری[2] وقال الملک ائتونی بہٖ[3] ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملک[4] — بادشاہ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، بادشاہ کے دین میں بھائی کو پکڑنا جائز نہیں۔ (ت)

اور وہ غلط تعبیر سے پاک و منزہ ہے، یوں ہی حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ انی وجدت امرأۃ تملکھم[5] (میں نے ایک عورت کو ان کا بادشاہ پایا۔ ت) ذکر فرمایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر و مبرا ہے، تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والیِ ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے مگر مسلمان پر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہوجائے اور دینی حیثیت سے آخرت میں اس کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمۂ حصر و تصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کو مجال تاویل و ابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیۂ کریمہ میں انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا[6] (تمہارا ولی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ ت) اور اس آیۂ کریمہ میں ولن یجعل

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۶ [2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۴ [4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶
[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۳ [6] القرآن الکریم ۵/ ۵۵

اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً[1] (اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ ت) یہاں قطعاً وہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلافِ مشاہدہ و اشہاد ہے، قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے۔ حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے:

الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا[2]۔

کافر اپنے مسلم بیٹے کا ولی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا (ت)

نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

تقلید الذمی لیحکم بین اھل الذمۃ صحیح لابین المسلمین وکذلك التحکیم[3]۔

ذمی کا تقرر ذمیوں میں فیصلہ کرنے کے لئے صحیح ہے مسلمانوں میں فیصلہ کرنے کے لئے نہیں، اور ثالثی کا بھی یہی حکم ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لوحکما عبدا فاعتق اوصبیا فبلغ او ذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ[4]۔

اگر فریقین نے کسی غلام کو ثالث بنایا اب وہ آزاد ہوگیا یا نابالغ کو بنایا تو وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کو بنایا تو وہ مسلمان ہوگیا پھر اس کے بعد وہ فیصلہ کرے تو نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار کتاب الشہادات میں ہے:

شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما[5]۔

شہادت کی شرط ولایت ہے اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[3] ردالمحتار بحوالۃ المنیۃ عن النہایۃ کتاب القضاء باب التحکیم " " ۴/ ۳۴۸
حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۰۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[5] درمختار کتاب الشہادات " " " ۲/ ۹۰

اور کتاب القضایا میں ہے :

اھلہ اھل الشھادۃ وشرط اھلیتھا شرط اھلیتہ فان کلا منھما من باب الولایۃ[1]

قاضی کی اہلیت وہی ہے جو شہادت کی اہلیت ہے اور شہادت کی اہلیت وہی ہوگی جو مدعا علیہ کی اہلیت ہوگی کیونکہ یہ دونوں امر ولایت سے متعلق ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

لا ولایۃ لکافر علی مسلم لقولہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا[2]

کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے : اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ (ت)

اسی کی شہادات میں ہے :

لا تقبل شھادۃ الذمی علی المسلم لانہ لا ولایۃ لہ بالاضافۃ الیہ[3]

مسلم کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے (ت)

مختصر امام قدوری میں ہے :

لا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّی شرائط الشھادۃ[4]

قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی جب تک میں شہادت کی شرائط پائی جائیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

لان حکم القضاء یستقی من حکم الشھادۃ لان کل واحد منھما من باب الولایۃ فکل من کان اھلا للشھادۃ یکون اھلا للقضاء وما یشترط

کیونکہ قاضی کا فیصلہ شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں امر از قبیل ولایت ہیں تو جو شہادت کا اہل ہوگا وہی قضاء کا اہل ہوگا' تو جو چیز شہادت کی اہلیت میں شرط ہے وہ قضاً

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱
[2] الہدایۃ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۹۸
[3] الہدایۃ کتاب الشہادت باب من یقبل شہادتہ الخ " " " ۳/ ۱۶۲
[4] المختصر للقدوری کتاب آداب القاضی مطبع مجیدی کانپور ص ۲۸۳

لاهلية الشهادة يشترط لاهلية القضاء[1] | کی اہلیت میں شرط ہوگی ۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے :

لاولایة للصبی والمجنون ولا المملوك ولا الکافر علی المسلم[2] | نابالغ، مجنون، غلام اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں (ت)

بدائع ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے :

لاشهادة للکافر علی المسلم اصلا[3] | مسلم کے خلاف کافر کی شہادت معتبر نہیں (ت)

اسی میں ہے :

لاولایة للکافر علی المسلم لانه لامراث بینهما، ولان الکافر لیس من اهل الولایة علی المسلم لان الشرع قطع ولایة الکافر علی المسلمین قال الله تعالٰی ولن یجعل الله للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا، وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم الاسلام یعلو ولایعلٰی[4] الخ۔

کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ دونوں میں میراث نہیں، اور اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمانوں پر کافر کی ولایت کو ختم کردیا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسلام غالب ہوگا مغلوب نہیں الخ۔ (ت)

اسی میں ہے :

الصلاحیة للقضاء لها شرائط منها العقل والبلوغ والاسلام فلایجوز تقلید المجنون والصبی والکافر، لان القضاء من باب الولایة بل هو اعظم الولایات وهؤلاء لیست لهم اهلیة ادنی الولایات وهی

قضاء کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغ، اسلام ہے تو مجنون، نابالغ اور کافر کی تقرری جائز نہ ہوگی کیونکہ قضاء از قبیل ولایت ہے بلکہ اعظم ولایات میں سے ہے جبکہ ان لوگوں کو ولایت میں سے ادنٰی ولایت جو شہادت میں ہے

---

[1] الہدایہ | کتاب ادب القاضی | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۳/۱۳۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب النکاح | فصل فی الاولیاء | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۶۳

[3] بدائع الصنائع | کتاب الشہادت | فصل واما الشرائط فی الاصل | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۶/۲۶۶

[4] " " | کتاب النکاح | فصل واما بیان شرائط الجواز | " " | ۲/۲۳۹

الشہادۃ فلان لایکون لہم اھلیۃ اعلاھا اولٰی ومن لایصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃ[1] اھ ملتقطا۔

وہ بھی نہیں تو لازماً اعلٰی ولایت کے وہ اہل بطریق اولٰی نہ ہوں گے اور جو قاضی کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی قضاء لازماً جائز نہ ہوگی اھ ملتقطاً (ت)

یہ گیارہ[2] کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری، فتاوٰی امام قاضی خاں، بدائع امام ملک العلماء، ہدایہ امام برہان الدین، نہایہ امام سغناقی، تنویر الابصار، درمختار، حلبی، طحطاوی، شامی، فتاوٰی عالمگیریہ۔ اور خود کثرتِ عبارات کی کیا حاجت کہ بلامبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطانِ اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دارالحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے

قال اللہ تعالٰی عزوجل والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہ کی تمھیں ان سے کوئی ولایت نہیں حتی کہ وہ ہجرت کرلیں۔ (ت)

کتبِ فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں راجع ابواب نکاح الکافر والمستامن وغیر ذٰلک (نکاح کافر ومستامن وغیرہما کے ابواب کی طرف رجوع کرو۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث[4]۔

دارالاسلام و دارالحرب کا اختلاف ولایت کو ختم کردیتا ہے اس لئے آپس کا وارث ہونا ممنوع ہے۔ (ت)

تو بحالتِ اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے، خود سلطانِ اسلام کو، خود اس کی ملک میں خود اسکی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعتِ مطہرہ نے ولایت شرعیہ نہ دی اس کی نظیر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضیِ اسلام کا کیا ہُوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبۃ ہو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل واما بیان من یصلح للقضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۳
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ فصل واما بیان من افترض علیہ قبول الخ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۷/۴
[3] القرآن الکریم ۸/۷۲
[4] الہدایہ کتاب الشہادۃ باب من یقبل شہادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۶۲

تو ذوالارحام، اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے:

34 الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ بشرط اسلام فی حق مسلمۃ فان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاۃ اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیہ فی منشورہ[1] (ملخصاً)

مسلمان لڑکی کے نکاح کی ولایت اس کے عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوگی بشرطیکہ یہ مسلمان ہو، اور اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو پھر حقیقی بہن کو اور پھر ماں کی طرف سے اولاد کو اس کے بعد پھر ذوی الارحام پھر مولیٰ موالات کو حاصل ہوگی (مولیٰ موالات اسکو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو) اھ در، پھر سلطان پھر قاضی جس کی سند قضا میں تصریح کردی گئی ہو نکاح صغار کی ولایت پر، اس کو ولایت حاصل ہوگی (ملخصاً)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

ولہذا قالوا ان القاضی لایزوج الیتیم والیتیمۃ الا عند عدم ولی لہما فی النکاح ولو ذا رحم محرم[عہ] او اما او معتقا[2]

اسی لئے انھوں نے فرمایا کہ قاضی یتیم لڑکے اور لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا مگر جب ان کا کوئی ولی نکاح موجود نہ ہو اگرچہ یہ ولی ذو محرم یا ماں یا آزاد کرنے والا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3]

اگر بعید شخص نے اقرب کی شہر میں موجودگی کے باوجود نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ (ت)

عہ اقول قید المحرم لامفہوم لہ وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲ منہ غفرلہ۔

عہ اقول (میں کہتا ہوں) یہاں محرم کی قید فہم سے بالاتر ہے، اور مناسب تھا کہ ترتیب میں یوں عکس ہوتا کہ آزاد کرنیوالا ماں سے اور ماں ذی محرم سے مقدم کرتے، کیونکہ ترتیب یوں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳-۹۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

[3] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر اور اس کے ہوتے سلطانِ اسلام و قاضی کا تصرف بے اثر۔ فتاوٰی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے:

لا یملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبله۔[1]

قاضی وقف میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا جبکہ اس کا متولی موجود ہو اگرچہ یہ متولی اسی قاضی کا مقرر کردہ ہو۔ (ت)

فتاوٰی وبری پھر فتوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا پھر لسان الحکام میں ہے:

لا تدخل ولایة السلطان علی ولایة المتولی فی الوقف۔[2]

وقف میں متولی کی ولایت کے خلاف سلطان کی ولایت مؤثر نہ ہوگی۔ (ت)

تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال پھر اس کے ولی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ میں۔ قنیہ پھر اشباہ میں ہے:

لا یملك القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیه ولو کان منصوبه۔[3]

وصی کی موجودگی میں یتیم کے مال میں قاضی تصرف کا مالک نہیں ہے اگرچہ یہ وصی اس نے ہی مقرر کیا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولیه ابوہ ثم وصیه ثم وصی وصیه ثم جدہ الصحیح ثم وصیه ثم وصی وصیه ثم الوالی ثم القاضی[عہ][4]

اس کا ولی باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی دادا پھر اس کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی (ت)

عہ کان علیه ان یقول والقاضی بالواو لانه والوالی فی مرتبة واحدة ایھما تصرف جاز ۱۲ منه غفرله۔

عہ یوں کہنا لازم تھا، والقاضی، یعنی واو کے ساتھ، کیونکہ قاضی اور والی کا مرتبہ یہاں مساوی ہے دونوں میں سے جو بھی تصرف کرے جائز ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ فتاوٰی رشید الدین الفن الاول قاعدہ ۱۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۲

[2] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوصایا ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲۵

[4] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

لہذا حدیث میں ارشاد ہوا :

السلطان ولی من لا ولی لہ[1] سلطان اس شخص کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ (ت)

شریعتِ مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہو اسے اتنا وسیع کر دینا شریعتِ جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ ان دونوں مقدمات سے واضح ہُوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان پر مسلمان کے لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوٰی، تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں پر تہمت۔ نسأل الله السلامة (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ ت)

مقدمہ پنجم : اُوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجودِ شَے ہوتا ہے کبھی حدوثِ حکمِ شرعی قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسمِ اوّل کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمراتِ حسیہ مقصود ہے، مثلاً :

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبالی۔

(۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔

(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔

(۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔

(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔

(۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔

(۷) شوہر رخصت کرا لایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔

(۸) طلاق بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔

(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔

(۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ تو خود موجود ہیں،

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب النکاح باب الولی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۴

جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی امین کمپنی دہلی ۱/۱۳۰

اور معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایت قسم دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں وادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وُہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابت حضرت رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً :

(۱) جمعہ وعیدین میں کسی کو امام بنانا ۔

(۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کی امامت نہیں کرسکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذن سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامۂ مسلمین معتبر ہے کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ اس پر تنویر الابصار، درمختار اور عام کتب میں تصریح ہے۔ ت) تو لیاقت خطبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دیتی ہے اور پیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں، اذن دیتے ہی ثابت ومحقق ہو جائے گی اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار۔

(۳) زن وشو لعان کریں۔

(۴) عنین بعد مرافعہ وتاجیل یکسال وانقضائے اجل وطلب زن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بر نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحۂ غیر کو طلاق بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک ازسرِ نو نکاح نہ کریں، اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد وزن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ درمختار میں ہے :

فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ[1]

اگر دونوں نے لعان کرلیا تو حاکم کی تفریق سے بائنہ ہو جائیگی اور قاضی کی تفریق سے قبل مرد وعورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

تکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابویوسف ھو تحریم

طرفین کے نزدیک قاضی کی تفریق طلاق بائنہ ہو گی جبکہ امام ابویوسف رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۲

مؤبد[1] — ابدی تحریم ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

سیأتی فی بابه انها حرمة مؤبد مادا ما اھلا للعان فاذا خرجا عن اھلیة اللعان اواحدھما له ان ینکحھا وکذا لو اکذب نفسه حد وله ان ینکحھا[2]۔

عنقریب متعلقہ باب میں آئے گا کہ یہ ابدی حرمت ہے جب تک مرد وعورت لعان کے اہل ہیں اور جب دونوں یا ایک کی اہلیت لعان نہ رہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اور یونہی اگر مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا حد لگائی جائیگی اور اس کو جائز ہوگا کہ وہ عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔ (ت)

درمختار باب العنین میں ہے :

بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا[3]۔

قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے یہ تفریق بیوی کے مطالبہ پر ہوگی۔ (ت)

(۵) قاصرہ نے بفور بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے، ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا مگر بعد مرافعہ وتفریق قاضی عند اللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدید نکاح حلت نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا۔ مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے :

یحل للزوج ان یطأھا مالم یفرق القاضی بینھما[4]۔

قاضی جب تک دونوں میں تفریق نہ کرے خاوند کو وطی کرنا حلال ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

یتوارثان فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخه[5]۔

اس نکاح کے فسخ ہونے سے قبل دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸۹

[2] الہدایہ

[3] درمختار کتاب الطلاق باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۳

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المبسوط کتاب النکاح الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۵-۲۸۶

[5] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

(۶) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کر دینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کر لینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کر لیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انھیں باہم قربت حلال ہے، بعدہٗ عورت نے دعوٰی کر دیا حاکم حنفی المذہب نے صحت یمین و وقوعِ طلاق و بینونت زن کا حکم کیا اب عند اللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبی و اجنبیہ ہیں بے نکاحِ جدید ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاق بائن ہوگئی لوقوعہ قبل الخلوۃ (کیونکہ یہ طلاق قبل از دخول ہے۔ ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوٰی کر دیا قاضی نے بطلان یمین و عدم طلاق کا حکم دیا اب عند اللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج و زوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کر چکا تھا اب اس پر بھی حکمِ حلت ہوگیا۔ بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے:

قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلثا فتزوجھا فخاصمتہ الی قاض شافعی و ادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذلك، ولو وطئھا الزوج بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذا فسخ لایحتاج الی تجدید العقد۔[1]

اگر کسی نے کہا میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق ہیں، تو اب اس سے نکاح کیا تو عورت نے کسی شافعی قاضی کے ہاں طلاق کا دعوٰی کیا تو اس قاضی نے (اپنے مذہب پر) فیصلہ دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یہ طلاق کچھ نہیں تو ایسی صورت میں وہ عورت خاوند کے لئے حلال ہوگی اور اگر خاوند نے اس عورت سے فسخ سے قبل وطی کر لی تو حلال ہوگی اور جب یمین و تعلیق فسخ ہوگئی تو اب تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔ (ت)

وجہ یہ کہ قضائے شرعی نہ کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان و قاضی حضور کے نائب و حکم رساں ہیں اختلاف مجتہدین کو اٹھا دیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

---

[1] رد المحتار کتاب النکاح باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۶

(۷) قاصرو قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولی مطلق النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم[1] (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر ولی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قربت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و محقق کردیا وقد تقدم نقلہ (اس کی نقل گزرچکی ہے۔ ت)

(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس وثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے دی تمام مفتی بہ مذاہب پر وقف صحیح ولازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوٰی کیا یا خود زید ہی نے درخواست فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاۃ زمانہ مقید ہیں بلکہ خود امام مجتہد تھا جواب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضا کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقف بے رجسٹری کا زائل اور ملک زائل کا عنداللہ حاصل ہوجانا۔ درمختار میں ہے:

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجد لوارث الوقف فباع صح وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لو باعہ الواقف او بعضہ اورجع عنہ ووقفہ لجھۃ اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعہ فی محل الاجتہاد کما حققہ المصنف وافتی بہ تبعا لشیخہ وقارئ الھدایۃ والمولی

اگر قاضی نے بے رجسٹری وقف کو اس کے وارث کے لئے فروخت کی اجازت دے دی اور فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح ہوگی اور قاضی کا یہ حکم اس وقف بے رجسٹری کو باطل کرنا قرار پائے گا حتی کہ واقف نے خود اس کو یا اس کے بعض کو فروخت کردیا یا پہلے وقف سے رجوع کرکے کسی دوسرے عنوان سے دوبارہ وقف کردیا اور قاضی نے دوسرے عنوان کے وقف کو پہلے وقف سے قبل لازم کردیا تو دوسرے وقف کا حکم صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ حکم محل اجتہاد میں واقع ہوا ہے جیسا کہ مصنف نے

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

ابی السعود لکن حملہ فی النھر علی القاضی المجتھد[1] اھ وکتبت علیہ مانصہ اقول وکذٰلك القاضی المقلد المقلَّد لیقضی بمذھب ابی حنیفۃ مطلقا وکذا الماذون لہ ان یقضی بہ مطلقا او بماشاء فی الخلافیات وھذا ظاھر جدا لانعدام المانع وھو کونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف[2]

اس کی تحقیق فرمائی اور اس پر اپنے شیخ کی اتباع اور قاری الہدایہ اور ملا مسکین کی اتباع میں فتوٰی دیا، لیکن نہر میں اس کو انھوں نے مجتہد قاضی کی رائے پر محمول کیا اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے، میں کہتا ہوں کہ کسی بااختیار قاضی کا مقرر کردہ مقلد قاضی کہ وُہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر مطلقاً فیصلہ دے اور وہ قاضی جس کو مطلقاً اجازت ہے کہ خلافیات میں اپنی صوابدید پر فیصلہ دے، ان کا فیصلہ بھی ایسا ہی نافذ ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ قاضی کے معزول ہونے والا ضعیف قول بھی یہاں نہیں ہے جو مانع بنے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لوقضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ باطل لانہ لایصح الابالصحیح المفتی بہ فھومعزول بالنسبۃ الی القول الضعیف وما افتی بہ قاریٔ الھدایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتھد[3]۔

اگر حنفی قاضی نے اس وقت کی بیع کی صحت کا حکم دیا تو اس کا حکم باطل ہوگا کیونکہ اس کے حکم کی صحت صرف صحیح مفتٰی بہ قول پر ہوگی، تو یہ قاضی ایک ضعیف قول کی بناء پر معزول قرار پائے گا اور جو قاری الہدایہ نے وقف کے حکم نامہ سے قبل بیع کے حکم کی صحت پر فتوٰی دیا ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ قاضی مجتہد ہو۔ (ت)

حلبی علی الدر پھر ابن عابدین میں ہے :

ومثل القاضی المجتھد من قلدہ مجتھد ایراہ[4] اھ اقول

مجتہد قاضی کی طرح ہے وہ قاضی جس کو اپنی رائے میں کوشاں کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اھ اقول

---

[1] درمختار | کتاب الوقف | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۳۸۵

[2] جد الممتار علی ردالمحتار

[3] و [4] ردالمحتار | کتاب الوقف | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳/۳۹۴

ای اذا لم یکن مقیدا بالقضاء بالمفتی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھو ظاھر والا کان رجوعا الی ماوقع الضرار منہ فانہ اذا لم یصح القضاء بالمرجوح کیف یصح تقلید مذہب اٰخر فرجع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق۔

(میں کہتا ہوں) یعنی جب وہ مذہب حنفی میں مفتی بہ قول پر قضاء کا پابند نہ بنایا گیا ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے قاضی۔ اور یہ ظاہر بات ہے ورنہ ضرر والی چیز کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا، کیونکہ مرجوح قول پر قضاء صحیح نہ ہو تو دوسرے مذہب کی تقلید کیسے صحیح ہوگی، لہٰذا حاصل وہی ہے جو میں نے لکھا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)

(۹) بعض حجر تو خود بحکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچّے کا ہر تصرف قولی اور معتوہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے محجور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وُہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہ دَین اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کردینا۔ یہ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو قسم ہے:

اول حسّی کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکماً باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم شرعی کہ اس کے سبب تصرف کا حکم شرعی مسدود ہوجائے، انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل و بے اثر ہو کر بہائم سے ملحق ہوجائے۔

اول نتیجہ ولایت قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔ اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اصلاً سلطانِ اسلام کو بھی نہیں۔ ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ، وقال ابویوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان فی سلب ولایتہ اھدار

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حر عاقل بالغ بیوقوف کو محجور (یعنی تصرفات سے روکنا) جائز نہیں ہے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچی اور فاسد کرتے ہُوئے مال کو تلف کردے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسے بیوقوف کو محجور قرار دینا اور مال میں تصرف کرنے سے روکنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی ولایت کو ختم کرنا، اس کی آدمیت کو

آدمیته والحاقة بالبهائم وهو اشد ضررا من التبذیر فلا یتحمل الاعلی لدفع الادنی اھ[1] مختصرا وقد قدم قول الامام واخر دلیله واجاب عن دلیلهما وکذٰلك فعل فی الحجر بسبب الدین۔

کو معطل کرنا اور حیوانوں سے لاحق کرنا ہے اور یہ چیز اس کے لئے مال کی فضول خرچی سے زیادہ مضر ہے لہٰذا اس کے ادنٰی ضرر کو ختم کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہ اپنایا جائے گا اھ مختصراً، انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو مقدم ذکر کیا اور ان کی دلیل کو آخر میں لاکر صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل کا جواب دیا اور مصنف نے دین کے سبب مجوری کے عمل میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ (ت)

اور صاحبین رحمہما اللہ کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتی ماجن وطبیب جاہل ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفاتِ صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔ درمختار میں ہے:

لایحجر علی حر مکلف بسفه وفسق ودین وغفلة بل یمنع مفتٍ ماجن یعلم الحیل الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجها او تسقط عنها الزکاة وطبیب جاهل ومکار مفلس[2]

حر مکلف کو بیوقوفی، فسق، دین اور غفلت کی وجہ سے مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ ماجن مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً بیوی کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتد ہونے اور اس سے زکوٰۃ ساقط کی تعلیم دینا، نیز جاہل طبیب اور مکار مفلس کو روک دیا جائیگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بل یمنع اشار به الی انه لیس المراد به حقیقة الحجر وهو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لو افتی بعد الحجر واصاب جاز

ماتن کا قول "بلکہ منع کیا جائے گا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت حقیقی پابندی نہیں بلکہ اس سے مراد شرعی ممانعت ہے جو تصرف کے نفاذ کو روکتی ہے کیونکہ اگر وہ مفتی حجر والی کارروائی کے بعد فتوٰی درست دے تو جائز ہے

---

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر للفساد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۲-۳۵۱

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

وکذا الطبیب لوباع الادویۃ نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدر عن البدائع[1]۔

اور یونہی وہ طبیب اگر دوا فروخت کرے تو یہ کارروائی نافذ ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ منع محض حسی کارروائی ہے جیسا کہ دُرر میں بدائع سے نقل کیا گیا ہے (ت)

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایامِ گرانی میں یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو پہنچے شرعاً جائز و نافذ رہے گا آخرت میں مستحقِ عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوفِ سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کیلئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایسعر حاکم لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتسعروا فان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل الرأی، وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری[2] اھ ای اذا باع للخوف کما عبر القہستانی فسقط نظر الشامی و تحقیقہ فی جد الممتار۔

حاکم بھاؤ مقرر نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالٰی ہی بھاؤ بنانے والا ہے وہی تنگی، وہی وسعت وہی رزق دینے والا ہے، مگر جب تجار قیمت میں فحش گرانی کریں تو پھر حاکم اہل الرائے سے مشورہ کے بعد بھاؤ مقرر کرے تو جائز ہے، اور اختیار میں ہے پھر جب حاکم بھاؤ مقرر کردے اور بائع کو حاکم کی سزا کا خوف ہو اگر اس نے کم بھاؤ پر دیا تو مشتری کو اس بھاؤ خریدنا جائز نہیں اھ یعنی جب بائع محض خوف کی وجہ سے (بغیر رضا) فروخت کرے تو مشتری کو جائز نہیں جیسا کہ قہستانی نے یہ تعبیر کی ہے، تو اب علامہ شامی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اس کی تحقیق جد الممتار میں ہے (ت)

(۱۰) بے اذن و رضائے مدیون اس کی جائداد زرڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسبِ حکمِ سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعاً بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شئی مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کیلئے بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸-۴۹

جائز نہیں مانتے، ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی، فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لا احجر فی الدین لان فی الحجر اھدار اھلیتہ فلایجوز لدفع ضرر خاص فان کان لہ مال لم یتصرف فیہ الحاکم لانہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص، وقالا اذا طلب غرماء المفلس، حجر القاضی علیہ وباع مالہ ان امتنع من بیعہ، قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذلک کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بھما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا[1] اھ مختصرًا۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں دین میں کسی کو مجبور نہ کروں گا کیونکہ حجر میں آدمی کی اہلیت معطل ہوتی ہے لہذا کسی ضرر خاص کو ختم کرنے کے لئے اہلیت کو ختم کرنا جائز نہیں ہے اگر ایسے شخص کا مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے کیونکہ یہ اس کی رضا کے بغیر تجارت قرار پائیگی جو ناجائز اور بذریعہ نص باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر مطالبہ والے حضرات قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر (مالی تصرف میں پابندی) لگادے اور اس کے مال کو جبرًا فروخت کردے تو قاضی ایسا کرے، ہم امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے کہتے ہیں مطالبہ والوں کا حق صرف دین کی ادائیگی ہے اور مطلوب کے مال کو فروخت کرنا یہ واحد طریقہ نہیں ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اگر اس کے مال کی فروخت جائز ہو تو اس کو قید کرنا دوہرا ضرر ہوگا، ایک حق والوں کے حق میں تاخیر اور دوسرا مدیون کو سزا دینا، تو یہ ناجائز ہے اھ مختصرًا (ت)

عنایہ میں ہے:

لکنہ (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع[2]

لیکن وہ یعنی قید کرنا بالاجماع مشروع ہے تو مال کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ (ت)

صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احداث حکم جدید شرعی وتبدیل توقف بنفاذ وحرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکم شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے

---

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶-۵۷

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الحجر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۲۰۷

عنداللہ صحیح ومقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعاً ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت شرعیہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقاً والیان ملک مراد لینا درکنار مطلقاً والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکنار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجتزاء اور وہ پہلی توسیع قطعاً شرع مطہر پر افترا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

تنبیہ: ان تمام تقریرات ومسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکار سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت شرعیہ نہ مانی اس سے انکے سلطان و بادشاہ وحاکم وقت و والی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) وباللہ التوفیق۔

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی، جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فک حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں بھی تقسیم حسی و شرعی یا دنیوی و دینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولی، کہ جس ملک میں جس مذہب وملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی ووافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی نافع آخرت کیلئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولی یا مقلَّد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولی یا مقلِّد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج و خزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب وعزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضا ر ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلِّد سے مستفاد، اور عدم مفید وجود نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد	جب کوئی سلطان ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حاکم جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے جیسا کہ

المسلمین غلب علیہم الکفار یجب علیہم ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ھو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا لہم اماما یصلی بہم الجمعۃ۔[1]

مسلمانوں کے وہ علاقے جہاں کفار نے غلبہ پالیا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کسی ایک پر اتفاق کرکے اس کو والی قرار دیں تو وہ کسی کو قاضی مقرر کردے اور وہ لوگوں میں فیصلے کرے اور یونہی وہ مسلمان کسی کو جمعہ کا امام مقرر کریں جو جمعہ کی نماز پڑھائے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصرفیہ وال مسلم من جہۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہم، واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب وال مسلم۔[2]

ہر ایسا شہر جس میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس شہر میں جمعہ وعیدین کا قیام، خراج وصول کرنا، قاضی کی تقرری اور یتیم بچیوں کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا ان پر غلبہ ثابت ہے اور لیکن وہ علاقے جہاں کفار ہی والی ہوں وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی ہی باختیار قاضی ہوگا تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہوگا اور مسلم والی کے لئے جدوجہد ان پر واجب ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوفقد وال لغلبۃ کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ، فتح۔[3]

اگر غلبہ کفار کی بنا پر مسلمان والی مفقود ہو تو مسلمانوں پر اپنے طور کسی قاضی اور جمعہ وعیدین کے امام کا تقرر واجب ہوگا، فتح (ت)

بعینہٖ اسی طرح معراج الدرایہ وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ ان کی عبارات

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

[2] جامع الفصولین الفصل الاول اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہیں، نہر الفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا:

هذا هو الذی تطمئن النفس الیه فالیعتمد[1]۔ یہی وجہ ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے تو اس پر اعتماد چاہیے۔ (ت)

ابن عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا:

الاشارة بقوله هذا الی ما افادہ کلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من کافر[2]۔ اس کے قول "ھذا" سے فتح کے کلام سے جو فائدہ حاصل ہوا کہ کافر کی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح نہیں ہے، کی طرف اشارہ ہے(ت)

اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں ہے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) یہ تمام نصوص صریحہ واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی بمعنی مذکور کے لئے مولی ومولٰی دونوں کا اسلام ضرور ہے **اقول** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لئے بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیر حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم ومنظوری بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدہ قضاء دے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوتی کہ اسے والی شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی شہر صاحب فوج وخزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔

درمختار میں ہے:

ثم الوالی بالطریق الاولٰی[3]۔ پھر والی بطریق اولٰی۔(ت)

شامی میں ہے:

ای ثبوت الولایة للوالی اولی لان القاضی یستمدھا منه[4]۔ یعنی والی کے لئے ثبوت ولایت بطریق اولٰی ہوگی کیونکہ قاضی اس سے تقرر پاتا ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] " " " " " ۴/ ۳۰۸

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۱

اور پر ظاہر کہ اس کا تقرر بلا واسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ وسبب وقضا تعلد قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عرفیہ یعنی غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عند الشرع مانا ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعۃ معہ من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفا من قھرہ فان بویع ولم ینفذ فیھم حکمہ لعجزہ عن قھرھم لایصیر سلطانا فاذا صار سلطانا بالمبایعۃ فجار ان کان لہ قھر وغلبۃ لاینعزل[1]

سلطان کی تقرری دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک اشراف اور اعیانِ حکومت کی بیعت، اور دوسرا رعیت پر اس کے دبدبے کی بنا پر اس کے حکم کا نافذ ہونا، تو اس کی بیعت ہوئی لیکن رعیت پر دبدبہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم نافذ نہ ہوسکا تو سلطان نہ بن سکے گا تو جب سلطان بن گیا اور اپنے دبدبے اور غلبہ کی بنا پر ظلم کیا تو معزول نہ قرار پائے گا۔ (ت)

فصول عمادیہ پھر ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفتاوی ایضا تجوز صلوۃ الجمعۃ خلف المتغلب الذی لامنشور لہ من الخلیفۃ اذا کانت سیرتہ فی رعیتہ سیرۃ الامراء یحکم فیما بین رعیتہ بحکم الولایۃ لان بھذا تثبت السلطنۃ فیتحقق الشرط[2]

فتاوٰی میں یہ بھی مذکور کہ ایسے سلطان کی اقتدا میں جمعہ جائز ہوگا جو خود غلبہ پاکر خلیفہ کی منظوری کے بغیر اقتدار پر فائز ہوگیا بشرطیکہ رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرچکا ہو وہ اپنی ولایت کی بنا پر رعیت میں حکم نافذ کرچکا ہو کیونکہ اس سے سلطنت قائم ہوگئی تو شرط متحقق ہوگئی۔ (ت)

خلاصہ پھر بحر الرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

المتغلب الذی لاعھد لہ ای لامنشور لہ ان کان سیرتہ فیما بین الرعیۃ

خلیفہ کی منظوری کے بغیر غلبہ پانے والے نے رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرلی اور اپنی

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۵
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضرتہ[1]

ولایت کی بناء پر حکم تسلیم کروا چکا ہو اس کی موجودگی میں جمعہ قائم ہوسکے گا۔ (ت)

35

غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقہ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام روئے زمین کے سلاطینِ اسلام ایسے ہی ہیں اپنے استیلا ہی کے باعث سلطان اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشاہ اس کی معین ہے نہ کہ مخل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارت مسکین:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر سواء کان کافرا او مسلما کذا فی الاصل[2]

قضاء کی تقرری سلطان عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے (ت)

اور عبارتِ ہندیہ:

ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیۃ[3]

ملتقط میں ذکر کیا کہ سلطان میں اسلام شرط نہیں ہے یعنی جو سلطان قاضی کی تقرری کرے۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے (ت)

میں مراد ہیں اور اس پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا، اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام ہے، مبسوط کی عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول:

البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ اوبدونھا وکل مصر فیہ وال

وہ بلاد جو کفار کے قبضے میں آئے ہیں وہ بلادِ اسلام ہیں بلادِ کفر نہیں ہیں کیونکہ کافر وہاں کفر کے احکام کو مسلط نہیں کرپائے بلکہ وہاں قاضی اور والی حضرات مسلمان ہیں وہ ایک ضرورت کے تحت یا ضرورت کے بغیر کفار کے ماتحت ہیں، وہ شہر جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳۸-۵۳۷

[2] شرح الکنز لملا مسکین علٰی ہامش فتح المعین کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

من جهتهم يجوز له اقامة الجمع و الاعياد والحد وتقليد القضاء لاستيلاء المسلم عليهم فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين و يجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما۔[1]

کفار کی طرف سے مقرر کردہ والی ہو تو جمعہ، عیدین اور حد کا قیام اور قاضیوں کا تقرر اس سے جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا کفار پر غلبہ ہے، تو اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام جائز ہوگا اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو تو وہ بااختیار قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر مسلمان والی کے لئے کوشش لازم ہے۔ (ت)

اور ہندیہ نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا، تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضاء میں منقول ہے:

الاسلام ليس بشرط فيه اي في السلطان الذي يقلد و بلاد الاسلام التي في ايدي الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر، والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصر فيه وال من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج و تقليد القضاة وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليه، واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي

اسلام اس میں شرط نہیں یعنی اس سلطان میں جو قاضی کی تقرری کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علاقے کفار کے قبضہ میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں نہ کہ بلادِ حرب، کیونکہ کفار وہاں احکام کفر غالب نہیں کر پائے جبکہ وہاں قاضی مسلمان ہیں اور وہاں کے ملوک اگر کفار کے ماتحت ضرورت کی وجہ سے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور اگر بغیر ضرورت ماتحت بنے ہوئے ہیں تو وہ فاسق ہیں اور وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہیں وہاں جمعہ و عیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قاضیوں کا تقرر اور یتیم بچوں کا نکاح جائز ہے کیونکہ یہاں مسلمان کو ولایت حاصل ہے لیکن وہ بلاد جہاں کفار والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ و عیدین کا قیام جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۴۱-۵۴۰

قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما منھم[1] | باہمی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی با اختیار قاضی ہوجائے گا تو مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ کوئی اپنا مسلمان والی بنانے کیلئے کوشاں رہیں (ت)

ان نفیس وجلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں : ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نامسلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "او بدونھا" اور تاتارخانیہ میں "فضلاً" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست با اختیار صاحبِ فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "وکل مصر" سے "لاستیلاء المسلم علیھم" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پروالی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو' جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز تقلید قضائے شرعی دو صورت پیش سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہ وہی جو فتح القدیر وجامع الفصولین سے گزرا، ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضا شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفرقہ حکم کے کیا معنے تھے اور عبارت امام محقق علی الاطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ،

اذا لم یکن من یجوز التقلید منہ[2] الخ۔ | جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے الخ (ت)

تو روشن ہُوا کہ نامسلم سے تقلد قضاء شرعی انھیں دو صورت وساطت موتی مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین وہندیہ کا انھیں اصل وتاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے ہیں قطعاً ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی' ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس کے سبب بحرالرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارت مذکورہ فتح القدیر وجامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا کہ،

فی فتح القدیر ما یخالفہ (واثما اسلفنا | فتح القدیر میں وہ ہے جو اسکے مخالف ہے (اور جو ہم نے

---

[1] ردالمحتار | کتاب القضاء | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/ ۳۰۸
[2] فتح القدیر | کتاب ادب القاضی | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۶/ ۳۶۵

ثم قال) ویؤیدہ مافی جمیع الفصولین (ونقل ماقدمنا)[1]۔

پہلے بیان کیا اسکو نقل کیا پھر کہا جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کرتا ہے اور ہمارے پہلے بیان کو نقل کیا)۔ (ت)

یوں ہی درمختار نے قولِ مسکین ذکر کرکے کلامِ فتح سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلامِ فتح نقل فرماکر اسی پر اعتماد لازم بتایا، یہ سب کچھ کلامِ مسکین میں حوالۂ کتاب الاصل دیکھنے پر ہوا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اس درجہ قوتِ عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر اعتماد نہ فرمایا مگر بحمد اللہ تعالٰی عبارت اصل یونہی ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب شبہات واوہام کا پردہ چاک کرکے حق کا چاند چمکا دیا،

والحمد للہ رب العلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تحقیق یوں چاہئے، اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا توفیق کا مالک ہے (ت)

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرورتیں آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اور واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کی دینی ضرورتیں وُہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کرسکتے ہیں مگر بعض جگہ حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں اس طریقہ پر ہو جو باجازت شرع احکام شرعیہ کا احداث کرسکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے

قال اللہ تعالٰی فاتقوا اللہ ما استطعتم[2] وقال اللہ تعالٰی لا یکلف اللہ

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ اور فرمایا: اللہ تعالٰی

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاۃ فصل یجوز التقلید من السلطان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴
[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

نفساً الا وسعہا[1]۔ صرف وسعت کے مطابق کسی کو تکلیف دیتا ہے۔ (ت)

بلکہ وجوب ورکنار یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اثارت فتنہ ہے اور فتنہ جائز نہیں، اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا ہے اور یہ روا نہیں مگر صورت اولٰے یعنی اپنی ان دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام و خطیب جمعہ و امام عیدین و تفریق لعان و عنین و تزویج قاصرین و قاصرات بلا ولی و فسخ نکاح بخیار بلوغ و امثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہہ میسر ہے گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی۔ جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی و دیوانی قسم اول بھی باہم طے کرلیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف و دادوش سے بچنے کے لئے باہمی پنچایت سے فیصل کرلیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گورنمنٹ کو اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو، دین تمہارا ہے، تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے کا حکم نفاذ بمعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کرلیجئے، اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہوجائیں گے تکمیل نفاذ حسی کے لئے گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہوجائے گی، یوں دونوں مقصد دین و دنیا حاصل ہیں اور بفضلہ تعالٰی تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد، بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ بطریقہ شرعیہ انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں، ہر قطر و ضلع میں جو عالم سُنّی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں کرلیں اور تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں، فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالٰی میں اسی ولایت شرعیہ کی نسبت ہے:

اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعہم علی واحد استقل کل قطر

جب زمانہ باکفایت سلطان سے خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوتے ہیں اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے اور علماء والی بن جاتے ہیں، تو جب لوگوں کو ایک عالم کی طرف رجوع دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے عالم کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۸۶

باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم[1] | رجوع میں مستقل ہوگا، تو اگر علماء علاقہ میں کثیر ہوں تو بڑا عالم قابلِ اتباع ہوگا۔(ت)

بحمد اللہ تعالٰی ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کردیا جس کے بعد کسی ذی فہم کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ رُد کا مردود سے تعلق بتا دینا اور بعض افاضات تازہ کا اضافہ کرنا انسب واولٰی۔ فاقول و باللہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت):

اول: کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے اسی سے سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی سرخی دے کر جو گیارہ[11] عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو[9] مقلَّد بالفتح اور اخیر کی دو[2] مقلِّد بالکسر سے متعلق ہیں۔ ان دو[2] کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انھیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی و بے فہمی ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی موتی ہو اور بادشاہ نامسلم۔

دوم: بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہرگز تام نہ ہوتیں کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ نامسلم سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو نامسلم کے لئے جواز کیونکر ہوگیا، کیا قاضی مسلم و نامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون[2] | اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں، تمھیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔(ت)

سوم: رہیں وہ نو[9]، ان میں سے آٹھ میں نامسلم کا نام تک نہیں، پہلی تیسری چوتھی نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں میں فاسق اور دوسری پانچویں میں جاہل و فاسق دونوں کا۔ کیا جاہل و فاسق مسلمان نہیں یا مسلم و نامسلم شرعاً یکساں ہیں، جو حکم ان کے لئے شرع نے مانا ہو ان پر قیاس کرکے نامسلم کے لئے بھی ثابت ہوجائے گا، کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں ومن یتعد حدود اللہ[3] (جو اللہ تعالٰی کی حدود سے تجاوز کرے۔ت) کا کیا حکم ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الخلق الخامس من الاخلاق الستین الخ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۵

[3] " " ۲/ ۲۲۹

چہارم: طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوٰی میں ہے:

الصحیح ان اھلیۃ الاجتہاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا[1]۔	صحیح یہ ہے کہ اجتہاد اولٰی ہونے کی شرط ہے تو لیکن جاہل کی تقرری (قضاء کے لئے) تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ (ت)

بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم اور خود یہ مفتی اور ان کے اساتذہ و اساتذہ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابلِ تسلیم عقلِ سلیم ہے۔

پنجم: گیارہ میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر وہ ایک باقیماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تا آخر سراسر مزعوم فتوٰی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال ہے مفید و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود مضر کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے، بحرالرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطانِ اسلام کسی نامسلم کو اپنے حکم سے قاضی کر دے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائے مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا:

لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ[2]۔	کافر کی قضاء حالتِ کفر میں مسلم پر صحیح نہیں ہے (ت)

اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کر دے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی مسلمانوں پر اس کی قضاء قضائے شرعی ہے، صحتِ تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہو جائے گا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی نیز قبل اسلام غیر مسلمین پر اس کی قضا صحیح ہو جائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو، اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے:

تنبیہ، ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی	تنبیہ: فقہاء کے کلام سے شام کے علاقہ بلاد دروز میں مقرر قاضی کا حکم واضح ہوا کہ دروز

---

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۲
[2] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۵۹
ردالمحتار بحوالہ البحر " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۹۸-۹۹

القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منهما لایصح حکمه علی المسلمین فان الدرزی لاملة له کالمنافق والزندیق و ان سمی نفسه مسلما وھذا کلہ بعد کونه منصوبا من طرف السلطان اومامورہ بذلك والا فالواقع انه ینصبه امیر تلك الناحیة ولا ادری انه ماذون له بذلك ام لا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]

یا نصرانی ہو تو اس کی قضاء مسلمانوں پر جائز نہیں کیونکہ دروزی کی کوئی ملت نہیں ہے جیسا کہ منافق اور زندیق کی ملت نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے، یہ تمام اس صورت میں ہے جب اس کو سلطان کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو یا ایسے کو مقرر کرنے کا مامور ہو اور اگر واقع یہ ہو کہ اس علاقہ کے کسی امیر کی طرف سے دروزی قاضی مقرر شدہ ہو اور معلوم نہیں کہ وہ امیر اس بات کا ماذون ہے یا نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

ششم: یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا کافر و غلام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت و نفاذ سے مانع موجود ہے جب تک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہوگا ان کی قضاء صحیح و نافذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقاً اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا:

له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع[2]

اس کو ولایت ہوئی اور غلامی اور کفر اس کو مانع تھا اب عتق اور اسلام حاصل ہوجانے پر مانع ختم ہوگیا۔ (ت)

اور اس سے استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضا مطلقاً قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمادیے تھے کہ:

لوقلد کافر القضاء فاسلم قال محمد ھو علی قضائه فصار الکافر کالعبد[3]

اگر کفر کی حالت میں قاضی مقرر ہوا تو مسلمان ہوگیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ پہلی تقرری پر قاضی ہے تو یہ کافر غلام کی طرح ہوا۔ (ت)

اور عبد (غلام) میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار — کتاب القضاء — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۴/۲۹۹

[2] فتح القدیر — کتاب ادب القاضی — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۶/۳۵۷

[3] ؍؍ — ؍؍ — ؍؍ — ۶/۳۵۷

قلد عبد فعتق جاز ان یقضی بتلك الولایة من غیر حاجة الی تجدید[1]	عبد تھا جو قاضی مقرر ہوا اب وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری ولایت پر اس کی قضاء جائز ہوجائیگی نئی تقرری کی ضرورت نہ ہوگی۔ (ت)

ہفتم: طرفہ تریہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ؏

خود گفتہ و خود نداند کہ چیست

(اپنے کہے ہوئے کو خود نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ ت)

تو اس کی بات جدا ہے۔

ہشتم: کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضاء کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابالغ بچوں پر۔ درمختار میں ہے:

للکافر ولایة علی کافر مثلہ اتفاقا[2]	کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت بالاتفاق حاصل ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمة[3]	اہل ذمہ میں فیصلے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔ (ت)

مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم، اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص قطعیہ قرآن عظیم و تصریحات جملہ ائمہ وکتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں دس بیگانہ و بیکار اور ایک سراپا مخالف و ضار، استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ الشجرة تنبئ عن الثمرة (درخت اپنے پھل کی اطلاع دیتا ہے۔ ت)۔

نہم: روایت ۱، ۳، ۸ سے یہ نتیجہ نکالا کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی۔ اس سے مراد اگر صرف تنفیذ بمعنی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[3] درمختار کتاب القضاء " " " ۲/ ۷۱

اول ہے تو حصر باطل، بلکہ اس کا فرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کردے قیامت کو ان کے لئے مواخذۂ الٰہیہ سے نجات کی صورت کرے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھا کر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کرے۔ اور اگر مراد عام ہے تو یہ قسم دوم ہرگز صرف دنیوی طاقت کا کام نہیں اس کے لئے مولٰی و مولٰی دونوں کا اسلام لازم اگرچہ عالم و متقی ہونا ضرور نہ ہو جیسا کہ مقدمہ ششم میں گزرا۔

دہم: روایت ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیا کہ قاضی میں علم و اتقا کی شرط اس نے چھوڑدی کہ ایسے قاضی کا ملنا سخت مشکل ہے، علم و اتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا، اور اس پر یہ قیاس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا لہذا اسلام کی قید بھی اڑادی۔ خود اس فتوٰی کی روایت ۱، ۲، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولویت ہے نہ شرط صحت۔ یہی حال اتقا کا ہے، فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے:

کون القاضی عدلا لیس بشرط ایضا حتی قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم ان الفاسق یصلح ان یکون قاضیا والعدالۃ شرط الاولویۃ فی ظاہر الروایۃ[1]۔

قاضی کا عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا بے شک فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عدالت اولٰی ہونے کی شرط ہے ظاہر الروایۃ میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الفاسق اھل للقضاء حتی لو قلد یصح الا انہ لاینبغی ان یقلد ھذا ھو ظاھر المذھب وعلیہ مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی وقال الشافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الفاسق لایجوز قضاؤہ[2]۔

فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے حتی کہ اگر وہ ہوجائے تو صحیح ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ اس کی تقرری کی جائے، یہی ظاہر مذہب اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی قضاء درست نہیں ہے۔ (ت)

بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذا العدالۃ عندنا لیست بشرط لجواز

یونہی تقرری کے لئے عدالت شرط نہیں لیکن کمال

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۲

التقلید لکنها شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق وتنفذ قضایاہ اذا لم یجاوز فیہا حد الشرع وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرط الجواز[1]

کے لئے یہ شرط ہے لہذا فاسق کی تقرری اور اس کی قضاء کا نفاذ جائز ہے جب اپنے فیصلوں میں اس نے شرع سے تجاوز نہ کیا ہو، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عدالت جوازِ قضا کے لئے شرط ہے۔ (ت)

اور اسلام قطعاً شرطِ صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم ونصوصِ ائمہ سے گزرا اولویت کی شرطوں سے اگر درگزر کی گئی تو اس سے شرطِ صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علماء نے غیر اولٰی کو صحیح مانا ہے لہذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلاف اولٰی ویسا ہی باطل ایک ہی بات ہے۔

یازدہم: نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علماء نے بضرورت اس کراہت سے درگزر کی ہے، فتح القدیر میں ہے:

فی الدرایۃ قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لان فی غیرھا یجد أماما غیرہ اھ یعنی انہ فی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد أخر ولا یأثم فی ذٰلک ذکرہ فی الخلاصۃ وعلی ھذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتہا فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من التحول حینئذ[2]

درایہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی اقتداء جمعہ کے بغیر مناسب نہیں کیونکہ جمعہ کے ماسوا نمازوں کے لئے امام دوسرا مل جاتا ہے یعنی غیر جمعہ میں گنجائش ہے کہ وہ دوسری مسجد میں چلا جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اس کو خلاصہ میں بیان کیا تو اس وجہ کی بنا پر جمعہ میں بھی ایسے امام کی اقتداء مکروہ ہوگی جب جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور وہی مفتٰی بہ قول ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے دوسرے امام جمعہ کے لئے گنجائش ہے (ت)

لہذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۂ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں، جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں لاکھوں آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کر چکے ہوں تو اس فتوے کی رائے میں بضرورت ان پادری صاحب کو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۳
[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علمائے بضرورت شرط اولویت سے درگزر کی تھی یہ بضرورت شرط اسلام اڑادیں گے انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

دوازدہم : فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبّہ، درمختار میں ہے:

یؤخرھا عندہ وقالا یتشبہ بالمصلین وجوبا ثم یعید بہ یفتی والیہ صح رجوعہ[1]

امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مؤخر کرے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک نمازیوں سے تشبّہ کرنا واجب ہے پھر بعد میں اعادہ کرے، اسی پر فتوٰی ہے، اور امام صاحب کا اس طرف رجوع صحیح ثابت ہے۔ (ت)

بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے کے طور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان لی ہیں۔

سیزدہم : روایت ہ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت منقولہ فتوٰی میں اس کا رد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی۔

چاردہم : مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں اسے اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بنا کر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیہ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ کے خلاف چلئے نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہوا اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن واجماع کی حجت بنالیجئے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پانزدہم : بفرض باطل بطلان فیصلہ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ قطعاً اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب رشوت لے کر قضا کی، عمل اپنے لئے ہوا نہ کہ اللہ عزوجل کے لئے۔ فتح القدیر میں ہے:

حاصل امر الرشوۃ فیما اذا قضی

رشوت کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ حق فیصلہ میں

---

[1] درمختار کتاب الطہارۃ فصل فی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۴

بحق ایجابہا فسقہ وقد فرض ان الفسق لایوجب العزل فولایتہ قائمۃ وقضاؤہ بحق فلم لاینفذ وخصوص ھذا الفسق غیر مؤثر وغایۃ ماوجہ بہ انہ اذا ارتشی عامل لنفسہ یعنی والقضاء عمل للہ تعالٰی [1]

رشوت لی تو اس کا حکم فسق ہے اور مفروض یہ ہے کہ وہ معزولی کا موجب نہیں تو اس کی ولایت قائم ہے تو اس کا حق فیصلہ کیوں نہ نافذ ہوگا اور یہ خاص فسق فیصلہ کے لئے مؤثر نہیں ہوگا، اور انتہائی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب قاضی رشوت لے گا تو گویا وہ اپنی ذات کے لئے عامل ہوا جبکہ قضاء کا عمل اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر تبعا للبحر وانت خبیر بان کون خصوص ھذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظۃ کونہ عملا لنفسہ وبھذا یترجح مااختارہ السرخسی [2] اھ

بحر کی اتباع میں نہر میں کہا تجھے علم ہے کہ اس خاص فسق کا غیر مؤثر ہونا ممنوع ہے بلکہ اپنے لئے عامل ہوجانے کے پیش نظر یہ مؤثر ہوگا، اس اعتبار سے امام سرخسی کے مختار کو ترجیح حاصل ہوجائیگی اھ (ت)

اقول یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا واقعی اصلاً لائق اعتماد نہیں کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا، اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ کہ نفی صحت۔ ردالمحتار میں ہے:

الاخلاص شرط للثواب لا للصحۃ [3]۔

اخلاص ثواب کیلئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں (ت)

یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا نہ اشرفی کا مستحق ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قیل لشخص صل الظھر ولك دینار فصلی بھذہ النیۃ ینبغی ان تجزئہ ولا یستحق

ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو مناسب حکم یہ ہے اس کی نماز جائز قرار پائیگی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۵۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۲۷۸

الدینار[1]

اور دینار کا مستحق نہ ہوگا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ[2]

نماز کو جائز کہنا اس لئے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ (ت)

بلکہ اب فتوٰی جواز اجرت امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ کہ عامل ﷲ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعاً صحیح ہے بہرحال قضا بر رشوت میں جو کچھ خلل ہے امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے تو جہاں اہلیت شرعاً منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن۔

شانزدہم: یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ مذکورہ رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام فخر الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں متقدم ہیں، امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود سنہ ۵۰۰ھ یا حدود سنہ ۴۹۰ھ میں۔

ہفدہم: یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو فیصلہ کا دروازہ بند ہوگا یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرھویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسّی سال ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے۔

ہیجدہم: یہ ضرورت زمانہ امام فخر الاسلام میں کیونکر ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابوالسعود سے ہے:

لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاھرا ورد الامر

جب ہمارے زمانے کے قاضی حضرات ظاہراً عدالت میں مساوی ہوں تو حکم ہے کہ علم، دیانت

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۶۴

بتقدیم الافضل فی العلم والدیانة والعدالة۔[1]

اور عدالت میں جو افضل ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ (ت)

اس پر اسی ردالمحتار میں فرمایا:

ھذا کان فی زمنه وقد وجد التساوی فی عدمھا الاٰن فلینظر من یقدم۔[2]

یہ ان کے زمانہ میں تھا حالانکہ اب عدم عدالت میں سب مساوی ہیں تو اب ترجیح میں غور کرنا ہوگا۔ (ت)

مفتی ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے ۹۸۲ھ میں انتقال فرمایا، جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو برس پہلے تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے۔

نوزدہم: اپنے زمانے تیرھویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محلِ نظر ہے قضاۃ اگر محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لی جاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے تھے جب بھی حدِ رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ کہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دینا ہے اور رشوت کسی کا کام بنانے کے لئے لی جاتی ہے نہ کہ مطلق، یوں ہی اجرت، تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں۔

بستم: فتوے میں یہ عبارت علامہ شامی فکذا یقال ھنا[3] (یہاں بھی یوں کہا جائے گا۔ت) تک نقل کی اس کے متصل انھوں نے فرمایا: وانظر ماسنذکرہ فی اول باب التحکیم[4] اسے دیکھو جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے، اسے چھوڑ دیا۔ شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے:

تنبیه: فی البحر عن البزازیة قال بعض علمائنا اکثر قضاة عھدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلدوا القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیة واعترض بان

تنبیہ: بزازیہ سے بحر میں ہے، فرمایا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی حضرات اس زمانہ میں ثالث ہیں کیونکہ انھوں نے رشوت کے ذریعہ تقرری حاصل کی ہے ان کے ہاں مقدمہ پیش کرنے پر ان کا ثالثی فیصلہ قرار پائے گا اور یہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۱

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۰

[3] و [4] " " " " ۴/۳۰۲

الی فع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلا یکون حکماً الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا ولھذا قال السلف القاضی النافذ حکمه اعزمن الکبریت الاحمر اھ قال ط وبعض الشافعیة یعبر عنه بانه قاضی ضرورة اذ لایوجد قاض فیما علمناه من البلاد الا وھو راش و مرتش اھ وانظر ماقدمناه اول القضاء[1]

اعتراض کہ ان کے ہاں دعوٰی ثالثی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ لازم ہوگا اور ان کے ہاں مدعا علیہ کی حاضری عملہ کے ذریعہ اور جبراً ہوتی ہے تو ثالث نہ ہوئے، آپ دیکھتے نہیں کہ دستی تبادلہ سے ابتداءً بیع ہو جاتی لیکن جب پہلے یہ بیع باطل یا فاسد ہو چکی ہو تو اس کے بعد یہ دستی تبادلہ بیع نہیں بن سکتی کیونکہ اب یہ ایک اور سبب پر مرتب ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہے اور اسی وجہ سے سلف نے فرمایا کہ ایسا قاضی جس کا حکم نافذ ہوتا ہو بہت کم ہے اھ طحطاوی نے کہا اور بعض شافعی حضرات نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ ضرورت کی بنا پر قاضی ہیں اس لئے کہ ہمارے معلومات میں تمام بلاد کے قاضی رشوت لینے اور دینے والے ہیں اھ، جو ہم نے قضاء کے باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اسے دیکھو۔ (ت)

بست ویکم: بلکہ یہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی:

وفی الحامدیة عن جواھر الفتاوٰی قال شیخنا و امامنا جمال الدین البزدوی انا متحیر فی ھذہ المسألة لااقدر ان اقول تنفذ احکامھم لما اری من التخلیط والجھل والجراءة فیھم، و لااقدر ان اقول لاتنفذ لان اھل زماننا کذٰلك فلو افتیت بالبطلان ادی الی ابطال الاحکام جمیعا یحکم

اور حامدیہ میں جواہر الفتاوٰی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ اور امام جمال الدین بزدوی نے فرمایا میں اس مسئلہ میں حیران ہوں، نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے حکم نافذ ہیں کیونکہ فیصلوں میں انکی جہالت، جرأت اور خلط دیکھ رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ نافذ نہیں ہیں کیونکہ ہمارے اہل زمانہ اسی طرح ہیں اگر میں باطل ہونے کا فتوٰی دوں تو اس سے تمام فیصلوں کا کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اللہ تعالٰی ہی ہمارے اور زمانہ کے قاضیوں کے درمیان فیصلہ فرمائیگا

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۷-۳۴۸

36

اللّٰہ بیننا و بین قضاۃ من ماننا افسدوا علینا دیننا و شریعۃ نبینا صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لم یبق منھم الا الاسم والرسم[1] اھ۔

انھوں نے ہمارا دین اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت کو فاسد کیا اب ان میں دین و شریعت کا صرف نام و رسم باقی ہے اھ۔ (ت)

سبحان اللّٰہ! ائمہ کرام و علمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یُوں فرمائیں بعض حیران ہوں کہ ان کو کیونکر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رَد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انھیں قاضی ضرورت ماننا جیسا کہ علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں فسبحٰن مقلب القلوب والابصار۔

بست و دوم: اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے، مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا، پھر زعم ضرورت کی کیا گنجائش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن و تبدیل شریعت واقع ہوئی والعیاذ باللّٰہ رب العٰلمین۔

بست و سوم: جب خاص جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام نصوص کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی و قیاس بے معنی کے کیا معنی، اور ایسی جگہ ھذا ما استقر علیہ رائی (میری رائے اسی پر قائم ہوئی ہے۔ ت) کی صدا لگائی کس نے مانی۔

بست و چہارم: بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی۔

بست و پنجم: انہم برعلم تو نصِ قرآنی کے مقابل اجتہاد کیسا۔

بست و ششم: بلفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ و نصوص متواترہ و تصریحات متظافرہ اور خود آیات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوٰی دینا حسب

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

تصریح علماء کرام جہل وخرق اجماع ہوتا، تصحیح القدوری پھر درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]

مرجوح قول پر فیصلہ اور فتوٰی جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ تھہیں۔

بست وہفتم: بفرضِ محال اگر مرجوح نہیں کوئی قول مساوی بھی گھڑ لیا جاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روا نہ ہوتا کہ مسائل مختلف فیہا میں فتوٰی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو، نہ اس پر کہ وقف کا الغی ہو کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب (جیسے کہ کثیر کتب میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ ت)

بست وہشتم: مفتی ومصدقین ومستفتی واہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب[2]

اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے:

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علٰی ما فعلوا وھم یعلمون ○ اولٰئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ونعم اجر العٰملین ○[3]

اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۷، ۱۸

[3] " ۳/ ۱۳۵ - ۱۳۶

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ما اصر من استغفر[1] جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل[2] رواہ الدارقطنی والبیھقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔

بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دارقطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابوالعوام البصری سے روایت کیا ہے۔ ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارسال فرمایا۔

خوشی و شادمانی ہے انھیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون[3] خطاکار کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے رواہ احمد والترمذی وابن ماجة والحاکم وصححه عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ت) حق کی طرف رجوع سے عار وسوسۂ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرما چکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمھارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھاتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست و نہم : یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات احادیث شتی من ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاقضیہ والاحکام نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۰۷

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ[1] رواہ الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔ (اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

افسوس کہ چھاپنے والے صاحب نے تمہید میں لکھا تھا "بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے" اور آخر میں لکھا تھا "یہ مضمون اہل اسلام ہند اور علمائے حنفیہ کے روبرو پیش کرنا ہے"، ممکن کہ قریب مواضع دیوبند و تھانہ بھون بھیجا اور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندۂ خدا نے بھیجا اور اس کی صحت و بطلان سے استفتاء کیا اول ہی آجاتا تو مفتی و مصدقین پر حق جلد کھل جاتا، ماننا نہ ماننا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الٰی صراط مستقیم۔ ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔ (ت)

سیوم: اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکماً مجور وممنوع التصرف کردئے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال، مظفر نگر، الٰہ آباد تین محکموں سے ۲۴ اگست لغایت ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء صادر ہو چکے تھے، پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انھوں نے ۲۵ اگست ۱۹۰۵ء کو اپنی جائداد کا وقف نامہ لکھا اور ۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اس پر رجسٹری ہوئی۔ احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے فک حجر متصور ہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی، بہرحال یہ قانونی بحث ہے شریعت مطہرہ کے حکم میں بلاشبہہ وہ وقف صحیح ہو کر تام و نافذ و لازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہو کر خالص ملک الٰہی عزوجل ہو گئی، اور اب ان فتووں کی رُو سے ورثا وقف کو باطل کرکے اس پر مالکانہ قابض ہو گئے اس کا وبال عنداللہ مفتی و مصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات مالکانہ نسلاً بعد نسل ہوا کرینگے ہمیشہ ان کا وبال مفتی و مصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچتا رہے گا

---

[1] الزہد للامام احمد بن حنبل ترجمہ الامام احمد بن حنبل الدیان للتراث قاہرہ مصر ص ۳۵

خود فتوے نے تسلیم کیا ہے کہ احکام قانونی شرعا وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نامسلم تو نامسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطینِ اسلام اگر کوئی چیز زید کو برخلاف حکم شرع دلادیں وہ ہرگز اس کے لئے حلال نہ ہوجائے گی احکامِ سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے، سلاطین درکنار خود صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیأخذھا اولیترکھا[1]۔ رواہ الائمۃ مالک واحمد والستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

صاف ارشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا حق نہ ہو تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا گڑھا ہے چاہے لے یا چھوڑدے (اسکو امام مالک، احمد اور ائمہ صحاح ستہ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ت)

مفتی ومصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتشِ دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انھیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیک اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ ت) اللہ واحد قہار سے ڈریں اور ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم ولیسئلن یوم القیمۃ عما کانوا یفترون[2] (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی افترا بازی پر سوال ہوگا۔ ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈروالے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے وذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین[3] (آپ یاددہانی کرائیں تو بیشک یاددہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ ت) ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل

---

[1] صحیح مسلم — کتاب الاقضیہ — قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴
صحیح البخاری — کتاب الحیل وکتاب الاحکام — " " " ۲/ ۱۰۳۰ و ۱۰۶۲
مؤطا امام مالک — کتاب الاقضیہ — میر محمد کتب خانہ کراچی — ص ۶۳۲
مسند احمد بن حنبل — المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۲ و ۲۹۰ و ۳۰۸
[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوفِ خدا کرکے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقف خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیردار ہیں تو شاید اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہو اگر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑ دے حکام کو ہرگز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روزِ قیامت اللہ واحد و قہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل و ذلیل و فانی مال چھوڑ کر جلیل و جزیل و باقی ثواب لیں۔ بہرحال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی غرض ہے۔ دیکھیں کون بندۂ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی و ثوابِ عقبٰی و ثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ عزوجل توفیق دے،

فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

تو عنقریب یاد کروگے جو تمھیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد کرتا ہوں، تحقیق اللہ تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو اللہ تعالٰی کافی ہے۔ (ت)

وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی سیدنا ومولانا محمد و اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین والحمد للہ رب العالمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔